

وہ وہیں ہو گا مجھے یقین ہے۔ اور اتنے برس گزد گئے کہ مجھے اس کا صحیح نام بھی یاد نہیں
شاید یہی تھا تو شیل آئی لینڈ... .

ڈوور کی بندرگاہ میں سیمیر تو نگرا انداز تھا لیکن اس میں کوئی جگہ نہ تھی۔ اگلا سیمیر شام
پا پہنچنے کا تھا۔ میں نے مکٹ خرید کر جیب میں ڈالا، سامان بندرگاہ میں جمع کر دیا اور
سامنے کے اس حصے میں چلا گیا جس کے ساتھ ساتھ سفید چٹا فری کی ایک دیوار دو تک
چلی جاتی ہے۔ چونے کی بنی ہوئی یہ سفید دیوار ایک عظیم قلعے کی طرح انگلستان کے
دروازے کے ساتھ کھڑی ہے۔ ساحل پر ادھر ادھر بے مقصد گھومنے کے بعد ایک
دوکان سے فرش اینڈ چپس خریدیے اور امنیں کھاتا ہوا میں واپس بندرگاہ کو چلا گیا
سیمیر شام میں پوچھا، بجا کر مجھے ہی بیارتا تھا۔

رو د بار انگلستان کے پانی ایک ہموار چادر کی طرح پر سکون اور خاموش تھے...
ہم بے حد پُرانے سمندر پر محو سفر تھے۔ رات دس بجے کے قریب ہم فراش کی بنڈگاہ
کیلے میں پہنچے۔ اگرچہ میں پہنچنے کے ذریعے سفر کرنا چاہتا تھا لیکن کیلے سے
پیرس اور پیرس سے سوٹھر لینڈ کے شہر جنیو اتک کے لئے میں نے تھامس گل
اینڈمنز سے ریلوے کا مکٹ خرید رکھا تھا... صرف اس لئے کہ میں جلد از جملہ
سوٹھر لینڈ پہنچنا چاہتا تھا۔ کیلے سے پیرس تک کا ٹرین کا سفر ویسا ہی تھا جیسا کہ
ایک عام سفر ہوتا ہے۔ مسافر، رات، سردی، بہوک، غیر معروف سیشن اور آہنی پہنچوں
کی متھک آواز... نہ کوئی عادی نہ کوئی واقعہ... پیرس کا ریلوے سیشن بھی کچھ زیادہ
پُر رونق نہ تھا۔ مجھے یہاں سے گاڑی بدلتی تھی اور جنیو اجائے والی گاڑی جس پلیٹ فلام
پر کھڑی تھی وہ اتنا تاریک اور اتنا عام ساتھا کہ اپنا کامونکی سیشن اس سے بہت
بہتر ہے... میں تھکا ہوا تھا... میں نے ایک کپارٹمنٹ میں اپنا ٹک سیک رکھا
اور پھر غالی نشست پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا... مجھے معلوم نہیں کہ گاڑی کب

سیشن سے باہر نکلی اور کب فراش کے بندہ پہاڑوں میں سے گزرتی ہوئی سوتھر لینڈ کے کسی سرحدی سیشن پر جا کھڑی ہوتی۔ کشم کا عملہ ٹرین میں آیا اور پاپورٹ وغیرہ چیک کر کے فراہمی یہی پہنچے اتر گیا۔

میں نے کھڑکی سے باہر دیکھنے کی کوشش کی... کیونکہ باہر سوتھر لینڈ تھا...

اگر یہ ملک نہ ہوتا تو کیلئے روں پر سپتہ نہیں کہاں کی تصویریں چھپتیں۔ باہر کچھ بھی نہ تھا۔ طویل اور تاریک سائے تھے جو شاید پہاڑ تھے۔ پھر یہی سمندر کا کنارہ ہے جو کہیں کہیں کوئی روشنی نظر آ جاتی۔ ہم جنیوا کے سیشن میں داخل ہوئے تو ابھی صبح ہونے میں دو گھنٹے باقی تھے۔ میں ٹرین سے باہر نکلا تو فضا میں وہی سرد ملک تھی جو راشد بیل روڈ کے کھیتوں اور شیلوں پر برف پڑنے کے بعد بدن میں پھیلتی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو جیکٹ میں بند کیا اور پلیٹ فارم پر چلنے لگا۔... مجھے کہاں جانا تھا؟ کہیں بھی نہیں۔ بس میں اگلی تھا اور آگے آگے دیکھنے ہوتا ہے کیا جکٹ پھیکر کے پاس پہنچنے والا میں آخری مسافر تھا۔ سامنے سیشن سے باہر مجھے ایک سنسانی بازار نظر آ رہا تھا۔ سڑیت لامٹی روشن تھیں اور کبھی بچار کوئی گاربے حد معمولی رفتار سے رینگتی ہوئی گزر جاتی۔ اس بازار سے پرے ایک تاریک بجٹ تھا جو جھیل جنیوا کے پانیوں کا تھا۔

میں جکٹ پھیکر کے قریب کھڑا ہو گیا۔ کہیں بھی نہیں۔ سوچ نکلنے میں دو رہائش کہاں مل سکتی ہے؟

”اس وقت؟“ اس نے گھڑی پر زگاہ ڈالی ”کہیں بھی نہیں۔ سوچ نکلنے میں دو دھائی گھنٹے باقی ہیں تمہیں انتظار کرنا ہو گا۔“

”یہیں سیشن پر انتظار کر لوں؟“

”نہیں یہاں اجازت نہیں ہے...“

” تو پھر کہاں جاؤں؟ ”

” مجھے کیا پتہ؟ اُس نے ناک چڑھا کر کہا۔

” ٹوڑست آفس کب کھلے گا؟ ”

” صبح آٹھ بجے ”

” اور اگر مجھے کچھ معلومات درکار ہوں تو میں کیا کروں... میں نے تو سنا تھا کہ یہ ملک میاں ہوں کی جنت ہے... اپھی جنت ہے جہاں پلیٹ فارم پر مسافروں کو انتظار بھی نہیں کرنے دیتے ”

” تم میرے ساتھ آؤ ” اس نے پھر کچھ ناپسندیدگی سے کہا۔

” چلو ” میں نے رُک سیک اٹھایا۔

بنیوں اسیٹن کے اندر وہ کسی قسم کا دفتر تھا۔ شام کی فضائی کپٹنی کا۔ اس کی پہلی اس نکٹ پچیکر یا گارڈ کے پاس تھی۔ اس نے دفتر کا دروازہ کھول لاد سر جھٹک کر کھٹ لگا ” یہاں بیٹھ جاؤ صبح تک۔ سات بجے سے پہلے پہلے چلے جانا... ”

میری ڈیوبی بھی ختم ہو گئی ہے۔ خدا حافظ ”

دفتر کے کاؤنٹر کے سامنے ایک طویل صوف رکھا تھا۔ میں نے رُک سیک میں سے اپنا سلیپنگ بیگ نکال کر صوف نے پر بچایا اور جوتے اتار کر اُس میں گھس گیا۔ تھنکاٹ اتنی شدید تھی کہ بہت دیر تک میں سوونہ سکا۔ پھر میری بند آنکھوں میں نیند کسی ماہر تیراک کی طرح نرم اور بے آواز تیرنے لگی۔

کوئی میرے سر پر کھڑا کچھ کھدرا تھا... کمال ہے۔ آخر پانیوں میں بھی کوئی چیز ہوتی ہے نہ سلام نہ دعا اور دشک دیئے بنیز میرے کمرے میں آگئے... کون ہے بھئی... ایک ادھیر عمر خاتون کسی عجیب سی زبان میں کچھ کہے جا رہی تھی... تب میں نے سر جھٹک کر اپنے خوابیدہ حواس بحال کرنے کی کوشش کی اور یاد کیا کہ

میں کہاں ہوں اور کیوں ہوں... یہ میرا کمرہ منیں تھا اور میں اپنے بستر پر محظوظ
منیں تھا بلکہ یہ جنیوا کے ریلوے سٹیشن پر کوئی دفتر تھا جس کے صوف پر میں قابض
تھا۔ وہ خاتون دراصل دفتر میں کام کرنے آئی تھیں اور مجھے یوں اس دفتر کو پیدا
بنانے میں ہوئے دیکھ کر کہہ یہ رہی تھیں کہ میاں تم جو بھی ہوا پہنی راہ لو... میں اُختا
اور سینپنگ بیگ سمیٹ کر ڈک سیک میں رکھ لیا۔

”وہ دراصل رات کو... سونے کی جگہ... آئی ایم سوری“ میں نے خاتون
کو اپنی موجودگی کا جواز پیش کرنے کی کوشش کی جو ناکام ہو گئی کیونکہ وہ خاموشی سے
مجھے دیکھ رہی تھی۔ دراصل وہ غریب حیران بہت تھی کہ یہ لڑکا دفتر کے اندر کیسے
اگیا اور کتنے مزے سے سور ہاے۔ بہر حال میں سٹیشن پر آیا تو ٹوست آفس بھی کھل
چکا تھا اور پلیٹ فارم پر مسافر بھی آجائے تھے۔

”مجھے جنیوا میں دو چار روز کے لئے بہت ہی ارزان رہائش چاہیئے۔“ میں نے
ٹوست آفس کی انکوارٹری کے پیچے کھڑی خاتون سے کہا۔ یہ خاتون ابھی ایک چھوٹے
سے آئینے کی مدد سے اپنی لپ شک درست کر رہی تھی۔

”کتنا ارزان؟“ اس نے بے حد کاروباری انداز میں فوراً وہ برجسٹر کولیا جس پر
ہو ٹلوں پر ایجنسیت رہائش گا ہوں اور ہو ٹلوں دنیروں کے فون نمبر اور پست درج تھے۔
”بے شک مفت ہو...“ میں نے کہا۔

”مفت؟“ وہ سخیدہ ہو گئی ”مفت تو نہیں مل سکتی“

”نہیں نہیں میں تو... مزان کر رہا تھا۔“

”اچھا؟“ وہ پھر برجسٹر پر بھک گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سر اٹھایا اور
مجھے دیکھا اور پھر میرے روک سیک کو دیکھا اور پھر کہنے لگی ”تمہارے پاس تو خیہہ ہے“
”وہ تو ہے“

”تو پھر تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا“ وہ ذرا ناراض ہو کر کہنے لگی تھیں کیمپنگ میں چلے جاؤ اس نے جنیوا کا ایک تفصیلی نقشہ میز پر پھیلا کر اُس پر چند لگائیں ”یہاں سے... جھیل جنیوا کے کنارے سے یہ رُام لوادر یہاں ۰۰ یہاں میں نے کراس لگایا ہے یہاں اُتر جاؤ...“ اس نے نقشہ میرے حوالے کر دیا۔

”شکر یہ مس“

”مس نہیں“ وہ مسکرا بولی ”میدہ مو ذیل...“ جنیوا میں فرانسیسی بولی جاتی ہے ”میاسی“ میں نے فرانسیسی کا واحدہ ”شکریہ“ اُس کے حوالے کیا اور ٹیشن سے باہر آگیا۔ کسی بھی سوں شہر کی سب سے بڑی پیچان سرخ رنگ کے وہ پرچم ہیں جن پر ایک سفید کراس بنا ہوا ہے اور جو ہر کھڑکی اور ہر دکان سے لٹک رہے ہوتے ہیں۔ سوں اپنے بھنڈے کو سماوٹ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ بہت ہی ناممکن ہے کہ آپ سو شہر لیندیں ہوں کسی جگہ بھی اور آپ کی نظر سوں فلیگ پرش پڑے... اور کچھ نہیں تو آپ بڑ کیک پسند کریں گے اس پر بھی سوں بھنڈا ابنا ہو گا۔ سوں شہروں کی دوڑی سب سے بڑی پیچان جو نیم کے سرخ پھول ہیں جو تقریباً ہر کھڑکی کے سامنے بہار دکھلتے ہیں... جنیوا کے اس بازار میں جو ٹیشن کے عین سامنے تھا اور سیدھا جھیل جنیوا میں اڑتا تھا سوں پرچم لہر رہے تھے اور کھڑکیوں میں پھول تھے۔ یہ میرا پہلا سوں شہر تھا اور یہ مجھے بہت مختلف لگا۔ ہاں یہ بہت صاف اور شفاف تھا لیکن صفائی تو جو منی میں بھی بہت ہوتی ہے۔ یہ خوبصورت بھی تھا اور فراش کے شہر بھی بہت خوبصورت ہوتے ہیں تو پھر جنیوا کیا تھا... جنیوا صرف ایک سوں شہر تھا اور اس کے تعارف کے لئے بس یہی لفظ کافی ہیں۔

میں رُام پر سوار ہونے کے لئے جھیل کی جانب جا رہا تھا کہ ایک ریستوران کے درسے تازہ کافی کی ایسی مہک آئی کہ میرے قدم ڈک گئے... میں اندر جانے لگا وہ

وک گیا۔ وہ ریستوران اتنا صاف اور ابلا تھا کہ میں وک گیا۔ میرے بڑت گند سے تھے اور دودر سے لے کر جنیو اتک کے سفر کی تھکادٹ مجھ میں اور میرے کپڑوں میں تھی... میں نے نظریں بھکاریں اور پھر چلنے لگا۔ اب میں شہر جنیو اکو دیکھتا نہ تھا... مرف اس لئے کہ میں تمہیں دیکھوں گا لیکن ذرا تازہ دم ہو کر، ذرا بہتر بیاس ہو کر، ڈرام میں سوار ہو کر میں نے نفس کرنے کا کڑک دکھایا کہ بھائی میماں اتار دینا۔ اس نے نقشے کی جانب دیکھے بغیر سر پلا یا "ریکینگ" ہے... ہاں ہاں... ہے۔

ڈرام ایک ایسے شہر میں سے گزر رہی تھی جو انگلستان کے شہروں سے بہت مختلف تھا۔ ایک تو اس کی فضابور کی طرح صاف تھی اور ہوا میں وہی برفباری کے بعد کی سرد مریک تھی۔ ڈرام جھیل کے ساتھ ساتھ جاری تھی... میرے ساتھ سفر کرنے والے سوس مجھے ایک نظر دیکھتے اور پھر میں ان کے لئے ختم ہو جاتا اور وہ میرے دبودھ سے غافل ہو کر اخبار دیکھتے لگے۔

جھیل جنیو ایک مقام پر فرانسکری تو اس پر ایک پل تھا۔ اور پل کے دونوں طرف آہنی جنگل پر سوچنڈے لہاری ہے تھے۔ ڈرام نے جھیل کو اسی جگہ سے عبور کیا اور شہر کے دوسرے حصے میں داخل ہو گئی۔ جنیو ا تقریباً ہمہار شہر تھا اور اس کے آس پاس بھی کوئی بلند برفانی پہاڑ نہ تھے بلکہ چند پہاڑیاں تھیں... پھر ایک اور پل آیا جو دریائے رہوان کے اور پر تھا۔ میماں سے چڑھائی شروع ہو گئی۔ چند فرلانگ کے فاصلے پر ڈرام کی لکھی "ریکینگ" کندکڑنے کا سیک کند سے پر رکھتے میں میری مدد کی۔

"کہاں؟" میں نے پوچھا۔
کندکڑنے والیں پا تھے پر اور پر کو جاتی ہوئی ایک سڑک کی طرف اشارہ کیا... ڈرام جب چلی گئی تو میں اس راستے پر آہستہ آہستہ چلتے چلنے لگا... یہ شارع عام نہیں تھی۔ تھوڑی دور جا کر چند درخت نظر آئے جن کے آس پاس چند شیئے لگے ہوئے

تھے۔ وہیں کیپنگ کا دفتر تھا۔ میں نے پاسپورٹ جمع کروایا اور رسید حاصل کر لی۔
”خیمہ کہاں لگاؤ؟“ میں نے کارک سے پوچھا۔

”کہیں بھی لگاؤ۔ یہ کیپنگ کا پوریشن نے شروع کی ہے اس لئے یہاں فی الحال کوئی کرایہ نہیں۔ باقاعدہ وغیرہ اور ختوں کے جھنڈیں ہیں اور رسیوان دوسری جانب پہاڑی کے سرے پر ہے۔“ کیپنگ میں ابھی کچھ زیادہ رونق نہ تھا۔
میں نے اک سین زین پر رکھا اور خیمہ کھول کر میں پر چھیلا دیا۔۔۔ پھر میں گاڑ کر تباہی کیپنگ دین۔ میں شیئے میں سامان رکھ رہا تھا اور ساتھ میں اُس بوڑھے کو دیکھ رہا تھا جو نیک پسند ایک انتہائی بوسیدہ خیمے کے باہر ایک چھوٹے سے سٹول پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اُس نے اخبار پر سے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا اور مسکرا یا اور پھر اخبار پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔۔۔ اس نے اپنے انداز میں مجھے خوش آمدید کہ دیا تھا۔۔۔

میں نے اپنے چھوٹے سے گھر میں جہانکار تو اس نے مجھے بلا یا کہ آجاء تم تھکے ہوئے ہو۔ تم میں جذبہ زیادہ ہے اور بہت کم ہے۔ آڈ آرام کر لو کیونکہ جنیوا کا شہر اور جیل کہیں نہیں جائیں گے میں رہیں گے۔ تم سے پیشتر لا کھوں آئے اور اس کے ساحلوں پر خیمے نصب کر کے پل دوپل کے لئے ڈکے اور چلے گئے۔ وہ چلنے گئے اور جھیل جنیوا کے پانی دیکھ رہے ہیں۔ آرام کر دو۔۔۔

خیمے کے پکڑے پر دھوپ تھی جو اسے گرم کرتی تھی اور اس کے بزرگ کو روشن کرتی تھی۔۔۔ اندر ایک خوشگوار حدت تھی۔۔۔ میں نے پکڑے تبدیل کئے اور ایک شیلی نیک پون کر لیت گیا۔۔۔ اور شام مذفر آہی سو گیا۔

پستہ نہیں کیا وقت ہو گا۔۔۔ کسی نے فرانسیسی میں کچھ کہا اور پھر میرے خیمے کا پروہ اٹھایا۔ میں نے خمار آکو آنکھوں سے کسی کو بھکتے دیکھا اور ایک باقاعدہ اندر آیا جس میں کافی کافی ایک مگ بھاپ دے رہا تھا۔۔۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا، پہلے مگ تھا مادر

پھر واپس جاتے ہوئے ہاتھ کے ساتھ اپنی گردن لمبی کر کے باہر دیکھا۔ وہی بوسیدہ شیئے والا بوڑھا تھا اور مسکرا رہا تھا۔ اس نے بھی صرف جیکر پہنچی ہوئی تھی سفید بال بڑی نفاست سے بھے ہوئے تھے اور اس کا بدن دھوپ سے سنو لایا ہوا تھا۔ میں باہر آگیا وہ تھوڑی سی انگریزی بول لیتا تھا۔

ڈاکٹر پیر جینوں میں پرکشش کرتا تھا اور خواتین کے جبڑوں کا ماہر تھا کیونکہ وہ دانتوں کا ڈاکٹر تھا۔ بیوی سے علیحدگی ہو چکی تھی۔ اولاً اپنے اپنے کاموں میں محروم تھی۔ ڈاکٹر پیر گرمیوں کے تین میونے اپنے زماں اپارٹمنٹ کو چھوڑتا اور ادھر پہنچتا۔ اگر اپنا بوسیدہ خیہہ لگایتا۔

”میرے پاس کھانے پینے کے لئے بہت کچھ ہے تو میں کیوں اپنے آپ کو غلاموں کی طرح کام کر کر کے ہلاک کر لوں...“ میرے گاہک جانتے ہیں کہ ڈاکٹر پیر گرمیوں کے تین میونوں میں غائب ہو جائے گا۔ جینوں میں میرے دوست ہیں مشترطہ ہیں لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ میں یہاں جھیل جینوں کے ساتھ ایک پہاڑی پر بیٹھا دوڑھتا پ رہا ہوں... میں یہاں سادہ ترین زندگی بسر کرتا ہوں۔ سادہ ترین خدا کھاتا ہوں۔ تقریباً ایک ماہ یہاں... اس کے بعد سومنٹر لینڈ کے کسی اور شریں اور پھر تین ماہ کے بعد واپس اپنے گرے سوٹ میں اور کلنک میں... تم اگر کبھی میرے کلنک میں آؤ تو مجھے پہچان نہ سکو... یہ تمہارے دانت کس نے بنائے ہیں؟“

”میرے دانت ہی میں نے سیران ہو کر پوچھا۔“

”ہاں کس نے بنائے ہیں؟“

”میرے باقی جسم کی طرح انڈمیاں نے بنائے ہیں۔“

”اچھا؟ وہ بے حد سیران ہوا“ یہ استنس پر فیکٹ ہیں کہ جعلی لگتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ تمہاری بیسی نقلی ہے... اس کے بعد جب کبھی ڈاکٹر پیر سے ملاقات ہوتی تو

میں ذرا احتیاط سے مسکراتا۔

ڈاکٹر پیر کی پیش کردہ کافی پیتے ہوئے ہم ایک دوسرے سے تفصیلی طور پر تھارف ہوئے: "ہوں تو تم پہلی مرتبہ سوٹر لیندہ آئے ہوو۔" ڈاکٹر پیر نے مجھے کچھ صرف س دیکھا: "تمہارے دانت پچکتے ہیں اور تمہاری آنکھوں میں ابھی نیند کی سرخی تیرتی ہے۔ تمہارا ماں ہڈیوں پر منڈھا ہوا لگتا ہے... ہاں جوان ہونا زندگی ہے اور اس زندگی کا احساس تب ہوتا ہے جب انسان کی عمر ڈھل جاتی ہے..."

"جینوں میں کیا کیا دیکھا جاسکتا ہے؟" میں نے ڈاکٹر پیر سے قابل دید مقامات کے بارے میں دریافت کیا۔

"آنکھیں جوان ہوں تو کیا کیا نہیں دیکھا جاسکتا" پیر مسکرانے لگا "بس ہو دیکھو گے اچھا لگے گا"

میں نے اجتماعی عمل خانے میں جا کر شیو بناٹی اور پھر مٹھنڈے یعنی پانی سے بدن کو بھکو کر باہر آگیا۔ میں سوچ میں تھا کہ کماں جاؤں اور کس طرح جاؤں۔ ایک مرتبہ پھر ڈاکٹر پیر سے رجوع کیا تو وہ کہنے لگا "پسلے تو تمیں یہاں سے پرے دشتوں میں گھری ہوئی سیرگاہ میں سے گذر کر نیچے رہوں کے پل کے قریب بانا ہو گا جہاں سے تمیں کہیں بھی جانے کے لئے ٹرام ملے گی... شہر جاؤ گے تو ظاہر ہے دیر سے لڑو گے اور دیر سے لوٹو گے تو گم ہو جاؤ گے"

"پیر میں اتنا پھوٹا بھی نہیں" میں نے ہنس کر کہا۔

"نہیں دراصل قصہ یہ ہے کہ رہوں کے پل کے ساتھ ادھر پہنچنے کے لئے ایک راستہ بلند ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ تم اور پر آتے جاتے ہو اور دریائے رہوں دریو ہوتا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی جینوں کا شہر اور جھیل بھی نظر آتے لگتے ہیں، ایک پھر میں دیوار کے ساتھ چل کر تم یہاں تک آتے ہو۔ میہبیت صرف یہ ہے کہ اگر تم رات کے

وقت واپس آؤ گے تو راستہ تلاش نہیں کر پاؤ گے اور یوں بھی آس پاس چونکہ صرف درخت ہیں اس لئے تاریکی کی وجہ سے کچھ دکھائی بھی نہیں دیتا... ایک مرتبہ دن کی روشنی میں یہ راستہ طے کر لو پھر یہ شک چلے جانا۔“
”اور اب میں کیا کروں؟“

”اگر تم مجھے اجازت دو تو میں نیکر کی بجائے پتوں پھن لوں ہو وہ داشت لکال کر

مشراحت سے بولا۔

”ہاں کہیں نہیں... اور کیوں؟“

”تاکہ میں تمہیں دہان جہاں پر کمپنگ ختم ہو رہی ہے اُس کے برابر میں واقع پہاڑی کے میان کنارے پر بننے ہوئے کافی بار میں تمہیں کچھ مشہد بات وغیرہ پلاڑیں... نہیں نہیں پروٹوٹ کرنے کی ضرورت نہیں اگر تم اپنی ڈرنسکس کی قیمت خود ادا کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا؟“

”کافی بار“ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک کاؤنٹر، دو چار کرسیاں اور ایک جیوک بوس پڑا ہوا تھا۔ البتہ ٹیرس پر متعدد میزین میٹن اور یہاں سے جنیواں شہر ایک منقصہ تصویر کی طرح اپنی تمام تر تفصیل کے ساتھ نظر آ رہا تھا۔ شام ہو رہی تھی اور جھیل کنارے اکادمی روشنیاں نموادر ہونے لگی تھیں۔ کمپنگ میں مقیم نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کا ایک گروہ آیا اور جیوک بوس میں رکے ڈال کر اپنے من پند نئے سننے لگا۔ ان میں پسندیدہ ترین نئے پیٹ بڑی کا ”مست روکو“ مجھے اپنے ہونٹوں کو چوتھے سے مست روکو۔“ تھا ادراں ”مست روکو مست روکو“ کی تکرار پوری شام ہوتی رہی۔

”اُس شہر میں...“ پیٹر نے پہاڑی کے یونچے روشن ہوتے ہوئے جنیوا کی طرف اشارہ کیا۔ میرا لکھڑی فلیٹ ہے لیکن میں یہاں ہوں اپنے یونچے میں مست دہان کسی کو کچھ پتہ نہیں کہ میں کہاں ہوں۔“

”کیا آپ ہر نہیں جاتے؟“

”میں نے شر جا کر کیا کرتا ہے... بس میں رہتا ہوں۔ اخبار اور رسائلے پڑھتا ہوں اور نیکر پن کر دھوپ تاپتا ہوں... کافی خود بنتا ہوں اور کھانا ادھر پار سے مل جاتا ہے۔“

”یہاں جو لوگ آتے ہیں ان میں سے کوئی آپ کو نہیں پہچانتا؟“

”یہاں جنیوا کے رہنے والے کیا کرنے آئیں گے... صرف سیاح آئیں گے تمہاری طرح... اور کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟“

”میں“

”اُد کسی کو بتانا بھی نہیں... اگر جنیوا شرمنی کوئی تم سے پوچھے کہ میرا داشت درد کرتا ہے اور میں بہت بھمار ہوں تو تم نے اُسے بالکل نہیں بتانا کہ ڈاکٹر پیر کہاں چھا بیٹھا ہے... مہیک ہے؟ اس نے ہاتھ آگے کر دیا... بیسر کا گلاس نزد تھا اور ادا تھا اور پیر خاصی پیر چکا تھا۔“

”مہیک ہے“ میں نے اس زندہ دل بورٹھے کے ساتھ ہاتھ ملایا ہوش مژہ زندگی گزارنے کے حوالے سے مجھ سے زیادہ نوجوان تھا۔

ٹیرس پہاڑی کے بہرے پر زکا ہوا تھا اور اس کے سینچے کمیں دُرد دریائے رہوں تھا جو پر شور زد تھا لیکن اپنی موجودگی کا سند یہ بھیجا رہتا تھا۔ جنیوا کا شہر تاریکی پھیلنے سے اور زیادہ نمایاں ہوا کہ اب روشنیاں اُسے اندر میرے سے الگ کر کے ایک علیحدہ روپ دے رہی تھیں۔ ان میں جھیل کے پانی البتہ سیاہ علاقے تھے اور روشنیوں کے اندر تک جا سکتے۔ جھیل میں نصب جنیوا کا مشہور زمانہ والہ جنیٹ یا بلند فوارہ یہاں سے بھی نظر آ رہا تھا لیکن ماچن کی ایک تیلی جتنا... وہ بھی روشن تھا اور سیاہ آسمان کی جانب ایک سفید ستون کی صورت بلند ہوتا تھا... یہ ایک ایسی جگہ تھی

جہاں سے اگر سیاح جنینوں کی پہلی بھلک دیکھے تو شام میں شہر کے اندر نہیں جانا چاہیے۔ وہ یہیں سے واپس چلا جائے تو جنینوں کے ذہن میں اسی طور نقش رہے اور ہمیشہ زندہ رہے۔ میں آدمی سے بازوں کی ایک زرد سپریٹش شرٹ میں نخا اور ہوا میں خنکی مجھے احساس دلاۓ لگی کہ تم چاہیے کتنے ہی نوجوان کیوں نہ ہو تمہیں رات کے وقت سوتھر لیندا میں آدمی سے بازوں کی شرٹ نہیں پہنچی چاہیے... اور پھر فٹھا میں ایک ممکن تھی جو دراصل ایک نہیں تھی... اس میں کیپنگ کے آس پاس کے پھیڑ کے درخت تھے جھیل کے پانی اور دریا میں رہوں کی آواز تھی اور کچھ اور تھا جو ایک آزاد اور پُرمترت بدن خود تخلیق کرتا ہے۔ آزادی اور خوشی کی بھی محک ہوتی ہے جسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ پیر مجھ سے سوالات کرتا رہا۔

”جنینوں کے بعد تم کہاں جاؤ گے؟“

”پتہ نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں جھیل جنینوں کے کنارے کنارے پیل سفر کروں اور مانترے تک پہنچ جاؤں... اس کے بعد دیکھا جائے گا۔“ ”تم مانترے تو تب پہنچو گے اگر جنینوں کو چھوڑو گے.....“ پیر نے اپنے ہونٹ پوکچھے یہ شہر اگرچہ بہت کمرشل ہے، لیگ آفت نیشن اور بیوائیں اوس کے حوالے سے مشور ہے لیکن اس کے اندر۔ اس شہر کے اندر ایک قصبه بھی ہے۔ اور اس ملک کے ہر بڑے شہر کے اندر یا کنارے پر ایک قصبه ضرور ہوتا ہے۔ تم اس قصبے کو تلاش کرلو وہ تمہیں کہیں نہیں جانے دے گا۔“

”میں پورا سوتھر لیندا دیکھنا چاہتا ہوں... اس کے پہاڑ اور ندیاں اور...“

”اس کے وہ خوبصورت گڑیوں ایسے گھر جنہیں آپ لوگ چیلٹ کتے ہیں۔“

”چیلٹ نہیں شیلے“ پیر نے فرگا کہا۔...

”اور میں ماونٹ میرا رن دیکھنے کا خواہش مند ہوں جو ایک طسماتی چوٹی ہے...“

اور سناتے ہے کہ انظر لاکن بھی بہت خوبصورت شہر ہے۔“

”کیا تم صرف جھیلیں پھاڑا اور شہر ہی دیکھو گے یا گئیں؟“ پیر نے میرے کندھے کو جھینخواڑا۔ انسانوں کو منیں دیکھو گے؟... اس عمر میں انسانوں کو دیکھو اور اس سے الگی عمر میں ان انسانوں کے پس منظر میں پھیلے ہوئے مناظر کو اٹھانیا سے دیکھو۔“

مت رو کو مجھے اپنے ہونٹوں کو چھمنتے سے مت رو کو...
اور ایک تیز ہوا چل رہی ہے اور طوفان ہے اور سردی ہے اور اس لئے...
مت رو کو...
مت رو کو...

کافی بار کے اندر سے پیٹ بُون کی بھاری اور مزاد آواز پکارتی تھی اور بھاڑے قدموں کے نیچے جھیل جنیوالے کے آس پاس ایک شہر تھا جسے دیکھ کر سیاح کو دا پس چلے جانا چاہیے... لیکن میں تو سیاح نہیں تھا، میں کیا تھا؟ مجھے کچھ معلوم نہ تھا۔ میں زندگی سے کیا چاہتا تھا اس کے بارے میں بالکل لامع مبتا... جنکی بڑھ رہی تھی اور اب ہوا چلنے لگی تھی اور اس کے باوجود میں وہیں بیٹھا رہنا چاہتا تھا کیونکہ میرے آس پاس وہ میک تھی جو صرف اُن دونوں آتی ہے جب ہر دنست سر سبز لگتا ہے اور ہر بیٹھ پر راج ہیں کامگان ہوتا ہے۔

مت رو کو... مجھے مت رو کو۔

اور ایک تیز ہوا چل رہی ہے اور طوفان ہے اور سردی ہے اور اس لئے
مت رو کو... مجھے اپنے ہونٹوں کو چھمنتے سے مت رو کو۔

شیئے کا سبز کرپڑا دھوپ سے گرم ہو رہا تھا۔ میں بہت دیر تک سوتا رہا تھا.....
کافی بار سے ایک پیالی کافی پینے کے بعد میں نے کپڑے پدلے اور ایک بیگ میں اپنا کیمرہ پاپورٹ بنو منگ کا سیٹوم اور تولیہ وغیرہ ڈال کر اسے کاندھے سے لٹکایا۔

کیمپنگ کے ساتھ کافی بار کے پہلو میں سے وہ راستہ نیچے جاتا تھا جس کے آس پاس چیز کے درخت تھے اور ان سے پرے چند عالی شان مکان تھے جن کے لام پہاڑی کی ڈھلان پر نیچے ہوتے چلتے تھے۔ نایا میں ہاتھ پر پائی فٹ بلند پتھروں کی ایک دیوار تھی اور اس کے پرے نیچے دریاۓ رہوں تھا۔ میں اس راستے کو ذہن نشین کرتا نیچے جانے لگا۔ رہوں کا شور قریب آنے لگا۔ اور پھر وہ دھماں دینے لگا۔ میں اس کے میں اور پر تھا اور نیچے آرہا تھا اور اس کا شور بلند ہو رہا تھا۔ ... وہ راستہ کپی سڑک پر آیا اور اس کے ساتھ ہی پل تھا جس کے پار رام مٹاپ تھا۔ یہاں سے ٹوام پر سوار ہو کر میں دوبارہ نیشن کے قریب جا کر اتر گیا۔ ... ایک اور بس مجھے یوں اونکی خوبصورت عمارت تک لے گئی۔ ... اس کے لام یہ حد سر بنز اور آ راستہ تھا۔ عمارت کے باہر دو توپیں رکھی ہوئی تھیں۔ ہو سکتا ہے ان میں وہ توپ بھی ہو جا۔ ایک مرتبہ اسی عمارت میں عصمت افزوں کی تقریر کے دوران چلا فی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جب ترکی اور یونان کا مسئلہ لیگ آفت نیشنز میں پیش ہوا تو عصمت افزوں کی کے مندوب تھے۔ انہیں تاڑک نے ہدایات دے رکھی تھیں کہ انہوں نے صرف اور صرف اپنا نکتہ عنظر بیان کرنا ہے اور فریق مخالف کی بات پر کان منیں دھرنے۔ چنانچہ افزوں نے مندوہ میں سے کہا کہ جی میں تو کچھ سُنْ نہیں سکتا کیونکہ بہرا ہوں اس لئے آپ میری تقریر میں یہ ہے ... فریق مخالف جو اعتراض کرتا، جو سوال کرتا اس کے جواب میں افزوں پر چکے میٹھے رہتے اور پھر اُنھوں کے اپنی تقریر دو بارہ پڑھ دیتے ... اور سکتے کہ مجھے کچھ سنانا ہی نہیں دیتا اس لئے آپ میری تجاذیز مان یہ ہے۔ اس پر کہا جاتا ہے کہ ایک روز جب عصمت افزوں تقریر کر رہے تھے تو عمارت کے باہر ایک توپ میں گولا ڈال کر اسے چلا دیا گیا ... لوگوں کا خیال تھا کہ یوں آواز سن کر عصمت افزوں کو اس باختہ ہو جائیں گے اور ان کا پول کھل جائے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ دھماکے کی آواز سن کر تمام

مندوہیں ہر اس ان ہو کر بھاگ لئے۔ کئی میزروں کے شیخے جا چھپے لیکن انہوں نے طرح
اطہیناں سے تقریر کرتے رہے... بہت بعد میں جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ
در اصل بھرے تو نہیں تھے تو توپ کی آواز سن کر آپ پڑنے کیوں نہیں؟... اس
پر انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنی زندگی میں درجنوں جنگیں لڑی ہیں اور ہزاروں
توپ کے گولوں کے دھماکے سنبھالے ہیں، میں بچھے تو منہیں تھا کہ ایک گونے کی آواز سن
کر پوچھ جاتا۔ عمارت کے اندر مختلف ہاں تھے۔ میں ایک پچھر لگا پھر باہر آگیا۔ یہاں
پر میری ملاقات اگا تھا سے ہوئی جو ایک سفید بیٹھ پڑیں گے میں پوچھ کھارہی تھی۔ اس
پاس کے تمام بچوں پر یو این اور بلڈنگ دیکھنے والے سیاحدوں کے غول براجمان تھے اپنائچے
میں "معاف کیجئے گا" کہہ کر دوسرا سرے پر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک نظر میری طرف
دیکھا اور پھر کھنے لگی "یو سپیک انگلش؟" اور میرے سر ہلانے پر بہت خوش ہوئی
"اوہ تھیں کاڈان فرانسینیوں کی یہ بڑی مصیبت ہے کہ اپنی زبان کے علاوہ اور
کوئی زبان نہیں بولتے یہاں تک کہ انگریزی بھی نہیں بولتے"

"لیکن جنیوا تو سو میٹر لینڈ کا شہر ہے"

"فرانسیسی سو میٹر لینڈ کا"۔ اس نے ذرا سختی سے کہا جیسے وہ سکول ٹھپر ہے
اور میں نے ایک شاگرد کی جیشیت سے غلطی کی ہے "فرانسیسی، جرمن، اطالوی اور
سو میٹر لینڈ جہاں یہ سب زبانیں بولی جاتی ہیں... فرانسیسی سنتے میں زناکت
ہے۔ جرمن سنتے میں پہاڑ ہیں اور یہ بہت ہے اور اطالوی سنتے میں دھوپ ہے
اور روشنی ہے"

"اوہ سو سنتے میں...؟"

"وہاں سو میٹر لینڈ ہے...؟" وہ شاید تمہارا سامسکراٹی میں پوچھ کھا فے گے؟
اگا تھا انگریز تھی۔ انگلستان کی کاڈنی سمرست میں اُس کا ایک پھوٹا سافیملی

ہو مل تھا جسے وہ دو ملازموں کی مدد سے چلاتی تھی۔ ہو مل چلانا ایک فلٹ نامم جا ب
ہوتا ہے اور انسان کو ہر وقت آزمائش میں رکھتا ہے۔ اگا تھا ہر سال دس بارہ روز
کے لئے اپنی روٹین میں سے نکل کر پورپ کے کسی شہر میں آجائی تھی اور کسی اپھے
سے ہو مل میں بھر کر آرام کرتی تھی۔ وہ شکل سے ایک درکنگ دو من لگتی تھی۔
بت پہنچی تھی اور انداز مکان تھی اور ہر وقت ہوشیار اور بخبردار... اس کی عمر تینیں کے
بھنگ ہو گئی اور ظاہر ہے وہ شیفت پر پڑی رہ گئی تھی اور ایک سپنسر تھی یعنی
دنده ولی والی گاڑی بچھوٹ چکی تھی۔

ہم دونوں ایک ہی بن میں شرفا پس آئے۔

بھیل کنارے خاصی پھیل پھیل تھی... ایک طرف بلند عمارتیں ان کے ساتھ
ایک شاہراہ اور بھیل کے ساتھ ساتھ ایک میرگاہ... بوشگن کلبیں اور قفرجع گاہیں
... جنیوا بجیت بھیل کے دوسرے کنارے پر تھا.... وہاں تک یا تو کشتی میں بیٹھ
کر جایا جا سکتا تھا اور یا پھر پوری بھیل کا چکر کاٹ کر وہاں تک پہنچا جا سکتا
تھا... اگا تھا اور میں ایک کپ کافی کے لئے ایک اور پن ایکر ریستوران میں بیٹھ
گئے... اگا تھا ایک بے حد تنا عورت تھی... سارا سال اسے کسی سے بات
کرنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ ہو مل چلانے کیلئے بہت سارے کام کرنے
ہوتے ہیں اور وہ سب کام اس کے ذمے تھے....

”آج دوپہر تھم کیا کر رہے ہو؟“ اس نے بڑی لاپرائی سے دریافت کیا۔

”میرے بیگ میں ایک سونگ کا سیٹوم اور ایک تو یہ ہے اور آج دوپہر میں“

انہیں بھیل جنیوا کے پانیوں میں ڈبوانا چاہتا ہوں“

”اوہ یہ تو بہت زبردست اتفاق ہے“ وہ تالی بجکا کر بیل جیسے کسی ملازم

کو بلاتی ہو وہ میں بھی بھیل میں نہانا چاہتی ہوں... میرا بھی یہی پروگرام تھا“

اگا تھا ایک اچھی خاتون تھی لیکن ... اس کے ساتھ سومنگ کرنا یا پوری دوپر
گزارنا میرے لئے کچھ زیادہ پڑکشش نہیں تھا۔ میں نے کچھ بہانے بنانے کی ناکام
کوشش کی۔

”بھیل کا پانی شامگ بہت سرد ہو... اس لئے“

”نہیں میں کل سارا دن مناتی رہی ہوں بہت زبردست ہے“

”اور مجھے کچھ زیادہ سومنگ بھی نہیں آتی ڈوب نہ جاؤں“

”تم کہا رے پر رہنا... اور میں جو اچھی تیراک ہوں“

”یوں بھی میرے دوست، ڈاکٹر پیر منے مجھے پنج پر مدعا کیا ہے۔ میں پنج کے
بعد ہی آسکوں گا۔“

میرا خیال تھا کہ وہ سمجھ جائے گی ... اور میرا خیال ہے کہ وہ سمجھ تو گئی لیکن اس
کی تنہائی نے کہا کہ کوشش کر دیکھنے میں کیا سرج ہے۔

”ٹھیک ہے پنج کے بعد آ جانا... میں کہا تمہارا انتظار کروں؟“

”وہ سامنے ہو پھر میا بند بھیل کے اندر جا رہا ہے اور جنیوں اجیٹ پر ختم ہوتا
ہے وہاں ... تقریباً چار بجے“

”میں پہنچ جاؤں گی“ اس نے میرا بازو پکڑ کر کہا اور اس نے تھوڑا سا انتظار
کیا اور پھر بے حد مطمئن اور خوش چلی گئی۔ ظاہر ہے مجھے کہیں نہیں جانا تھا...
اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس ملاقاتات میں سے کس طرح نکل جاؤں ...
میں نے ایک قریبی شال سے چیس خریدے اور انہیں منہ مازتا بھیل کے کہا رے
آہستہ آہستہ چلنے لگا... پر کشتیاں کرائے پڑے اور ”موڑ بوٹس کر لے پڑے“ کے بڑے لگے
ہوئے تھے۔ پہلے تو جو چاہا کہ کشتی کرائے پر حاصل کر کے ابھی دوسری جانب
بھیٹ کے پاس چلا جاؤں لیکن میں اس ارادے سے باز رہا کہ اس وقت بھیل میں

لائقہ ادمن تر بوش بڑی تیزی سے پائیوں کو چیرتی اڑتی چلی جا رہی تھیں اور یوں بھی میں نہ کچھ زیادہ تیراک ہوں اور کشتم رانی میں بھی بے حد و اجنبی ہوں۔ سخنواری دیر بعد مجھے صورس ہو اک بھیل کی خوبصورتی کے باوجود بھوک لگ جاتی ہے۔ سیشن کے قریب ایک ریستوران سے میں نے اپنا پہلا سوس کھانا کھایا... مجھے معلوم نہیں کہ وہ دراصل کیا تھا۔ وہ بھوک پچھے بھی تھا میری بھوک مٹانے میں کامیاب رہا۔ کھانے کے بعد میں آہستہ آہستہ بھیل کے کنار سے چلنے لگا... میں جب بھیل کی دوسری جانب پہنچا اور جنیوں جیٹ تک جانے والے پتھر لیے بند پر پھختا تو ابھی صرف تین بجے تھے....

خواہش تو میری یہی تھی کہ اگا تھا صاحبہ سے کچھ زیادہ میل ملاقات نہ ہو لیکن میں نے دعہ کرنے کے بعد رفوچکر ہو جانے کو کچھ ذلیل حرکت جانا... پتھر لیے بند پر لوگ مختلف ٹولیوں میں اور صراحت بیٹھے لیئے اور شیم لیئے دھوپ سینک لیے تھے اور پہلی نظر میں یہ جاننا دشوار ہو جاتا تھا کہ انہوں نے کہاں کہاں کیا کیا ڈھکا ہوا ہے یا کچھ ڈھکا ہوا ہے بھی یا نہیں... یہ بند تقریباً ایک فرلانگ تک بھیل کے اندر جا رہا تھا اور اس کے اختتام پر سینکڑوں فٹ کی بلندی پر پھختا اور ایک پر شور فضا تخلیق کرتا وہ فوارہ تھا جسے ہنیوں جیٹ کہا جاتا ہے۔ میں نے اپنا بیگ کھوں کر ڈاک کے مکلت جتنا اپنا تولیہ نکالا اور اسے پتھر دل پر بلکہ ایک پتھر کے چھٹے سے حصے پر پھیلا کر پیٹھے گیا... بھیل میں کشتیاں تھیں، باد بانی، موڑ والی اور ہاتھ سے کھینے والی... اور کچھ تیراک تھے جو پانی میں ایک ڈگنی لگا کر کنار سے پر لیٹ جاتے میں نے بھی یہ مناسب جاننا کہ اپنا کا سیٹوم پہن کر مشرقاً میں شامل ہو جاؤں اور میں ہو گیا... ہوا کی تازگی نے میرے بدن کو چھوتا تو مجھے ایک بھر بھری سی آئی... ان زماں میں پدن بے حد حساس ہوتا ہے اور ہوا کے چھوٹے سے بھی اس پر ایک اثر

ہوتا ہے... کچھ دور چند لپک کے پانی میں چلانگیں لگا رہے تھے۔ میرے عین سامنے ایک نہادت مناسب جسم کی اور مناسب شکل کی لڑکی تیر رہی تھی۔ کنارے پر اس کا ساتھی اپنے سفری بالوں میں بار بار لٹکنگی کرتا تھا اور اس کے ساتھ باقیں کرتا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بھی پانی میں کوڈ گیا اور اس لڑکی کے آس پاس ایک منچے لذھر کی طرح تیر نے لگا۔ لڑکی بہت عمدہ تیرا کی تھی اور وہ ذرا دور نکل جاتی اور وہ لذھر ہنستا ہوا والپس آ جاتا... .

دھوپ اب اڑ کرتی تھی... بلند فوارے کی پھواز کیسی بھار ہوا کے ساتھ ادھر آتی اور مجھے بسکو دیتی۔

میں بالا صریحہ مت کر کے اٹھا اور جھیل میں اتر گیا۔ پانی مناسب تھا اگرچہ خوشگوار نہ تھا۔ میں کچھ دور تک تیرا در پھر کنارے پر آبیٹھا۔ وہ لڑکی اب اکیلی تیر رہی تھی اور مجھے وہ اچھی لگ رہی تھی۔

”ہیلو“ میں نے ہاتھ بلا یا۔

”ہیلو“ اس نے اپنے آپ کو پانی سے اوپر کرتے ہوئے پُرستت انداز میں بھا ب دیا۔

”تمارا دوست کہاں گیا ہے؟“

”وہ ہے... وہ آش کریم لیئے گیا ہے۔“

”وہ ایک لذھر کی طرح تیر رہا تھا۔“ میں نے ہنسنے ہوئے کہا۔

”ہاں...“ وہ پانی کی سطح پر لیٹ گئی اور دونوں ہاتھوں سے مخالف سمت میں تیرنے لگی۔ ”تم پانی میں کیوں نہیں آ رہے؟“

میں نے فوراً جھیل میں چلانگ لگا دی۔ پونک بلا سوپے سمجھے چلانگ لگائی تھی اس نے پانی ناک میں دور تک چلا گیا اور کالوز میں بھی اتر گیا۔

”تم ہندوستانی ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں میں پاکستانی ہوں... اور تم؟“

”میں جرمی ہوں... فرانسیسی سیکھنے کے لئے جنیوا آئی ہوں اور ایک ریستوران میں کام کرتی ہوں... تمہارا نام کیا ہے؟“

اس کا نام روشنہ تھا۔ ہم پانی سے باہر اگر تو لیوں پر بیٹھ گئے... وہ مجھے اور میرے بدن کو دیکھتی تھی مکاش میرا بدن بھی تم جیسا ہوتا“

”یعنی ڈاک ایک لڑکے جیسا؟“

”ہمیں...“ اس کا گندھا میرے منہ کے قریب تھا اور اس پر شہری روئیں دھوپ میں پھکتے تھے اور میکتے تھے... ہمیرا مطلب ہے میری زنگت... کہاں ٹھہرے ہو؟“
یک پینگ میں... اس پہاڑی پر۔ میں نے جھیل سے پرے اس ٹیک سیاہ جنگل کی طرف اشارہ کیا جس کی پوٹی پر کہیں میرا خیہ تھا...“

میں نے گھری پر لگاہ ڈالی۔ چار جنگے والے تھے اور انکا تھا کو کسی بھی لمحے نوادر ہو جانا پاہیزہ تھا۔

”تم کسی کا انتظار کر رہے ہو؟...“

”ہاں ایک دوست کا“

”لڑکی؟“

”قریباً...“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”اور یہ لڑکوں ہے؟“

”وہ... میرا خیال ہے وہ آرہا ہے آئش کریم لے کر... ہاں یہ تو یہیں نہ رہتا میرے قریب اور بے تکلف ہو گیا...“

”اور اگر میں بے تکلف ہونا چاہوں تو اس کا کیا طریقہ کار ہو گا...؟“

”تم تو اپنی گرل فرینڈ کا انتظار کر رہے ہو؟“ وہ سہنے پہنچ پہنچنے اگر